اہل السنّت والجماعۃ کون؟(۵)

حافظ نذیر احمد ہاشمی

ایمان میں کمی بیشی کا مسئلہ

جمہور اشاعرہ' معتزلہ' ائمہ ثلاثہ' داؤد ظاہری اور بہت سارے علماء کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہوسکتی ہے جبکہ امام ابوحنیفہ' آپ کے شاگرد اور امام الحرمین کا مسلک یہ ہے کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ چنانچہ صاحب شرح مقاصد نے لکھا ہے:

وھو مذھب الاشاعرة والمعتزلة والمحکی عن الشافعی وکثیر من العلماء ان الایمان یزید وینقص وعند ابی حنیفة واصحابه وکثیر من العلماء۔ وھو اختیار امام الحرمین— انه لا یزید ولا ینقص' لانه اسم للتصدیق البالغ حد الجزم والاذعان ولا یتصور فیه الزیادة والنقصان۔ والمصدق اذا ضم الطاعات الیه او ارتکب المعاصی' فتصدیقه بحالة لم یتغیر اصلاً وانما یتفاوت اذا کان اسما للطاعات المتفاوته قلة وکثرةً ۔ ولھذا قال الامام الرازی وغیره— ان ھذا الخلاف فرع تفسیر الایمان— فان قلنا— ھو التصدیق فلا یتفاوت وان قلنا:ھو الاعمال فمتفاوت۔

وقال امام الحرمین—اذا حملنا الایمان علی التصدیق فلا یفضل تصدیق تصدیقاً کما لا یفضل علم علما ومن حمله علی الطاعة سرا وعلنا۔ وقد مال الیه القلانسی ۔ فلا یبعد اطلاق القول بانه یزید بالطاعة' وینقص بالمعصیة۔(۱۳۷)

''اشاعرہ' معتزلہ' امام شافعی اور بہت سارے علماء کے نزدیک ایمان میں کمی و زیادتی ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس امام ابوحنیفہ' ان کے شاگرد' امام الحرمین اور بہت سارے دیگر علماء کے نزدیک ایمان میں زیادتی و کمی نہیں ہوسکتی' کیونکہ ایمان جزم و فرمانبرداری تک پہنچنے والی تصدیق کا نام ہے اور اس میں زیادتی و کمی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تصدیق کنندہ اگر تصدیق کے ساتھ طاعات کو بھی شامل کرے یا معاصی کا ارتکاب کرے تب بھی اس کی تصدیق بغیر کسی تبدیلی کے برقرار رہتی ہے۔ اس میں تفاوت تب ہی ہوسکتا ہے اگر قلت و کثرت کے لحاظ سے متفاوت طاعات کا نام ایمان رکھا جائے۔ اسی لیے امام رازی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی کا اختلاف ایمان کی تفسیر میں اختلاف کا نتیجہ ہے' اگر ایمان کی تفسیر تصدیق سے کی جاوے تو اس میں تفاوت نہیں اور اگر اعمال سے کی جائے تو اس میں تفاوت ہوسکتا ہے۔

اور امام الحرمین کا کہنا ہے کہ اگر ایمان کو تصدیق پر محمول کیا جائے تو کسی تصدیق میں دوسری تصدیق کی نسبت کوئی زیادتی نہیں، جس طرح ایک علم کو دوسرے علم پر زیادتی حاصل نہیں اور اگر اس کو سِرًّا وعَلانیۃً طاعت پر محمول کیا جائے جیسا کہ قلانسی کا قول ہے تو پھر اطاعت سے ایمان میں اضافہ اور معصیت سے ایمان میں کمی کا قول اختیار کرنے میں کوئی بُعد نہیں۔''

امام موصوف کا یہی مسلک (ایمان میں کمی بیشی کا نہ ہونا) **کتاب الوصیۃ للامام الاعظم ابی حنیفۃ** میں بھی نقل ہوا ہے:

الایمان لا یزید ولا ینقص لانہ لا یتصور زیادۃ الایمان الا بنقصان الکفر فکیف یجوز ان یکون الشخص الواحد فی حالۃ واحدۃ مؤمنًا، وکافرًا حقًّا ولیس فی ایمان المؤمن شک کما انہ لیس فی کفر الکافر شک کقولہ تعالٰی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾[۱۳۸]

ان کا یہی مسلک **العقائد النسفیہ** میں[۱۳۹] اور **العقائد الاحمدیہ**[۱۴۰] (شیخ احمد الفاروقی السرہندی) میں بھی نقل ہوا ہے۔

ایمان میں زیادت ونقصان کے اس اختلاف کا منشا کیا ہے؟ اس سلسلے میں امام رازی کی رائے یہ ہے (جیسا کہ شرح مقاصد اور شرح مواقف کے حوالے سے اوپر بیان ہو چکا ہے) کہ اصل میں یہ اختلاف ایمان کے مرکب وبسیط ہونے کے اختلاف پر مبنی ہے، جو ایمان کے مرکب ہونے کے قائل ہیں وہ ''**الایمان یزید وینقص**'' کے قائل ہیں اور جو لوگ ایمان کو بسیط مانتے ہیں وہ ''**الایمان لایزید ولا ینقص**'' کے قائل ہیں۔

باقی امام نووی کا یہ فرمانا کہ ''اعمال کو ایمان کا جزء نہ ماننے کی صورت میں بھی ایمان کے اندر زیادت ونقصان ہوتا ہے، کیونکہ صدیقین کا ایمان عام لوگوں کے ایمان سے بڑھ کر ہوتا ہے اسی طرح آحادِ اُمت کا ایمان کسی نبی کے ایمان کے مقابلے میں کمتر ہوتا ہے، کسی نبی کی تصدیق عام افراد کی تصدیق سے بڑھ کر ہوتی ہے، اسی لیے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾'' صحیح نہیں ہے، کیونکہ نزاع تفاوت ایمان **بحسب الکمیۃ** میں ہے (قلت وکثرت) نہ کہ **تفاوت فی الکیفیۃ** (قوت وضعف) میں۔ آپ کی پیش کردہ امثلۂ تفاوتِ **ایمان فی الکیفیۃ** کی ہیں نہ کہ کمیت کی۔ نصوص آیات واحادیث مبارکہ میں زیادتی کا ذکر آیا ہے نقصان کا ذکر کہیں بھی نہیں ہوا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امام مالک کا مسلک ''**الایمان یزید ولا ینقص**'' نقل کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا ایک قول بھی یہی نقل کیا گیا ہے اور عبداللہ بن المبارک کا قول بھی اسی طرح نقل ہوا ہے[۱۴۱] لیکن احناف کا مشہور مسلک ''**لا یزید ولا ینقص**'' ہے جبکہ متعدد آیاتِ بینات میں ایمان کی زیادتی کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً:

(ا) ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال:۲)

(ب) ﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾ (الفتح:۴)

(ج) ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا﴾ (المدثر:٣١)

(د) ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (التوبة:١٢٤)

(ر) ﴿فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾ (آل عمران:١٧٣)

مندرجہ بالا آیات بینات کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی ایمان کی زیادتی کا ذکر آیا ہے۔ اس زیادتی سے کیا مراد ہے؟ کئی جواب دیے گئے ہیں۔

(۱) زیادت فی الایمان سے مراد زیادتیٔ ثمراتِ ایمان اور نورِ ایمان ہے۔ طاعات سے ثمرات اور نورِ ایمان میں زیادتی اور معاصی سے کمی ہوتی ہے۔(۱۴۲) چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الزمر:٢٢) یعنی جس شخص کا سینہ اللہ عزوجل اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں اس کو اپنے ربّ کی طرف سے ایک نور عطا ہوتا ہے اور اعمال کی کمی و زیادتی سے اس نور میں انبساط' پھیلاؤ اور نقصان ہوتا رہتا ہے' اعمالِ حسنہ کی جس قدر کثرت ہوگی نورِ ایمان میں انبساط اور پھیلاؤ ہوگا اور اعمالِ حسنہ میں جتنی کمی ہوگی اسی کے بقدر نورِ ایمان میں کمی ہوتی جائے گی۔ اسی طرح ارشادِ ربانی ہے: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ (الانعام:١٢٢) یا ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ (التحریم:٨) یا ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ (الحدید:١٢) تو اعمالِ حسنہ سے ایمان کے نور میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے' نفسِ ایمان جو تصدیق قلبی کا نام ہے اس میں زیادتی اور کمی نہیں ہوتی۔

(۲) صاحب شرح المقاصد نے لکھا ہے:

> **ان المراد الزيادة بحسب زيادة المؤمن به والصحابة كانوا آمنوا فى الجملة وكان يا تى فرض بعد فرض وكانوا يؤمنون بكل فرض خاص۔ وحاصله ان الايمان واجب اجمالاً فيما علم اجمالاً وتفصيلاً فيما علم تفصيلاً والناس متفاوتون فى ملاحظة التفاصيل كثرةً وقلةً فيتفاوت ايمانهم زيادةً ونقصاناً(۱۴۳)**
>
> ''زیادتی سے مؤمن بہ (جس پر ایمان لایا جائے) کی زیادتی مراد ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے اجمالاً ایمان لائے تھے (کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ لائیں گے اس کو مان کر سرِ تسلیم خم کیا جائے گا) اس کے بعد یکے بعد دیگر فرض آتے گئے اور صحابہ ہر فرض پر ایمان لاتے گئے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جن چیزوں کا علم اجمالی ہے ان پر اجمالی ایمان اور تفصیلی چیزوں پر تفصیلی ایمان رکھنا واجب ہے۔ تفاصیل کے ملاحظہ کرنے میں چونکہ عوام الناس میں تفاوت پایا جاتا ہے لہٰذا اس نقصان و زیادت کے لحاظ سے ان کے ایمان میں تفاوت آ گیا۔''

یا زیادہ واضح الفاظ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے پہلے اجمالی ایمان لائے کہ رسول اللہ ﷺ پر وقتاً فوقتاً جو نازل ہوگا اس پر ایمان لائیں گے' اس کے بعد احکام کے نزول پر ہر ہر حکم پر ایمان لاتے گئے' کمی و زیادتی ان تفصیلات کے

اعتبار سے ہے۔ کچھ لوگ ایمان لانے کے بعد اس وقت فوت ہو گئے جب کہ پانچ نمازیں بھی فرض نہیں ہوئی تھیں' کچھ نمازوں کی فرضیت کے وقت زندہ تھے لیکن روزوں کی فرضیت سے قبل فوت ہو گئے اور کچھ ایسے بھی تھے جو حج کی فرضیت سے پہلے انتقال کر گئے۔ اس تفصیل کے اعتبار سے ان کا ایمان کم تھا اور جن کا انتقال بعد میں ہوا ان کا ایمان اس تفصیل کے اعتبار سے زیادہ تھا تو زیادتی اور کمی اس تفصیل کے اعتبار سے تھی' لیکن اجمالی ایمان ''کہ جو کچھ آپ فرمائیں گے ہم اس پر یقین کریں گے'' زیادت ونقصان کو قبول نہیں کرتا۔

(۳) تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کمی بیشی اس سکینت وطمانیت میں ہوتی ہے جو اہل ایمان کو عطا کی جاتی ہے:
﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الفتح:۲۶) ''تو اللہ عزوجل نے اپنے رسول اور مؤمنین پر سکینت نازل کی''۔ یہ سکینت تصدیق کے علاوہ ایک دوسری چیز ہے جو اہل ایمان کو منجانب اللہ عطا ہوتی ہے۔ زیادتی اور کمی اس سکینت کے اعتبار سے ہوتی ہے نہ کہ نفسِ تصدیق کے اعتبار سے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

بقول ان کے اہل حق (متکلمین اور امام ابوحنیفہ اور فقہاء ثلاثہ' محدثین اور اشاعرہ) کے درمیان دراصل کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ اختلاف قصور فی نقل المذاہب کا نتیجہ ہے' بایں طور کہ دونوں طرف کے مذاہب کے نقل کرنے میں قطع و برید ہوئی ہے جس کی وجہ سے اختلاف پیدا کر کے بحثیں شروع کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ سلف کا قول ہے: ''**الایمان معرفة بالقلب' واقرار باللسان' وعمل بالارکان' یزید بالطاعة وینقص بالمعصیة**''۔ اس میں دو اختصار کیے گئے ہیں' ایک یہ کہ تینوں چیزوں (معرفتِ قلبی' اقرارِ لسانی اور عمل بالارکان) کا ذکر کیے بغیر ''**الایمان قول وعمل**'' کہہ دیا گیا۔ دوسرا اختصار یہ کیا گیا کہ ''**یزید بالطاعة وینقص بالمعصیة**'' کے بجائے فقط ''**یزید و ینقص**'' کہا گیا۔ لہٰذا اس جملہ کا اصل مفہوم مخفی رہ گیا' کیونکہ سلف کا مقصد بالطاعة اور بالمعصیة کہے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

تیسرا اختصار یہ کیا گیا کہ یہ اول سے آخر تک پوری ایک عبارت تھی اور مجموعہ مل کر ایک عقیدہ تھا' لیکن لوگوں نے اس میں قطع و برید کر کے الگ الگ دو مسئلے بنا دیے: (۱)**الایمان قول وعمل** (۲)**الایمان یزید و ینقص**' لہٰذا جب سلف کا عقیدہ نقل کیا جاتا ہے تو وہاں علیحدہ علیحدہ دو مستقل مسئلوں کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امام اعظم کا قول جو امام طحاوی نے **العقیدة الطحاویة** میں نقل کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

> **والایمان هو الاقرار باللسان ' والتصدیق بالجنان' وان جمیع ما انزل الله فی القرآن وجمیع ما صحّ عن النبی ﷺ من الشرع والبیان کله حق' والایمان واحد واهله فی اصله سواء' والتفاضل بینهم بالتقوی' ومخالفة الهوی' وملازمة الاولی**(۱۴۴)

امام صاحب کے مندرجہ بالا کلام سے ''**وما صح عن رسول الله ﷺ من الشرع والبیان کله حق**'' علیحدہ کر کے ''**الایمان اقرار باللسان وتصدیق بالجنان**'' کو ذکر کیا گیا اور اس طرح یہ ظاہر کیا گیا کہ اس میں عمل کا ذکر نہیں ہے اور نتیجہ یہ نکالا گیا کہ امام موصوف کے نزدیک عمل ایمان کا جزء نہیں۔ نیز ''الایمان

واحد'' کے الفاظ بھی حذف کر دیے گئے اور اس کے بعد کے الفاظ ''واھلہ فی اصلہ سواء'' سے یہ مطلب نکالا گیا کہ ''الایمان لا یزید ولا ینقص'' یعنی ایمان میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی بلکہ تمام اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں۔ یہ دوسرا مسئلہ بنا لیا گیا اور اس کے بعد والی پوری عبارت والتفاضل بینھم بالتقوی...... غائب کر دی گئی۔ یعنی جس طرح سلف کے قول میں قطع و برید کر کے اور عبارتوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے دو مستقل مسئلوں کا عنوان دیا گیا اسی طرح امام اعظم کے قول میں بھی قطع و برید کر کے اور عبارتوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے دو مستقل مسئلوں کا عنوان بنا دیا گیا۔ حالانکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے' دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ امام صاحب نے لمبی چوڑی عبارت میں سلف کے قول کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ سلف کی عبارت ''الایمان معرفۃ بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ'' نے مرجئہ کی تردید کی ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب' اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ مرجئہ کا یہ کہنا کہ ''عمل کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں' بغیر عمل کے بھی آدمی براہِ راست جنت میں جائے گا' معصیت سے وہ سزا کا مستحق نہیں بنے گا'' غلط ہے۔ بلکہ عمل ایمان میں داخل ہے۔

اس کے بعد ''یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ'' سے ان کی مراد یہ ہے کہ اصل ایمان تو تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ہے' اگر یہ نہیں تو انسان دائرۂ ایمان سے خارج ہے اور یہ موجود ہے تو وہ مؤمن شمار ہوتا ہے' جبکہ عمل کی یہ حیثیت نہیں کہ اس کی نفی سے ایمان کی نفی لازم آئے بلکہ اس کی حیثیت ایمان کے مراتب میں اضافہ اور کمی کرنے کی ہے' وہ ایمان کا جزء نہیں ہے۔ ''یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ'' کہہ کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ نیکیوں سے ایمان کا درجہ بڑھتا اور معاصی سے اس کا درجہ گھٹتا ہے۔ وہ اس درجہ کی چیز نہیں کہ اس کے نہ ہونے پر آدمی ایمان سے خارج ہو جائے' جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے۔ گویا انہوں نے اس جملہ سے معتزلہ و خوارج پر رد کیا ہے۔

امام اعظم بعینہٖ یہی بات کہہ رہے ہیں' ان کے پیش نظر معتزلہ' خوارج اور مرجئہ کا رد ہے' بس تھوڑا سا فرق ہے کہ سلف نے پہلے مرجئہ کا رد کیا ہے کہ ان کے زمانے میں ان ہی کا زور تھا اور پھر یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ سے معتزلہ و خوارج کا رد کیا' جبکہ امام صاحب نے پہلے معتزلہ و خوارج کا رد کیا کہ ان کے زمانے میں ان ہی کا زور تھا اور مرجئہ کا رد بعد میں کیا' یعنی صرف ترتیب میں فرق ہے۔ چنانچہ امام صاحب نے ''الایمان اقرار باللسان وتصدیق بالجنان'' فرما کر معتزلہ و خوارج کا رد کیا لیکن عمل کو یکسر نظر انداز نہیں کیا بلکہ ''وما صح عن رسول اللہ ﷺ من الشرع والبیان کلہ حق'' فرما کر عمل کا ذکر کر دیا۔ ایمان کی اساس و بنیاد کو ''اقرار باللسان وتصدیق بالجنان'' میں معتزلہ و خوارج کا رد کرنے کے لیے علیحدہ ذکر فرمایا اور یہ سمجھانے کے لیے کہ عمل کا یہ درجہ نہیں' عنوان بدل کر ''وما صح عن رسول اللہ ﷺ ...... کلہ حق'' فرمایا' اس میں مرجئہ کا رد ہو گیا' کہ ہم عمل کی اہمیت کے منکر نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سندوں سے جو شریعت ثابت ہے وہ اعمال و احکام ہی ہیں اور یہ سب حق ہیں۔

اس کے بعد کے جملے ''والایمان واحد'' کا معنی یہ ہے کہ ایمان تصدیق بالجنان' اقرار باللسان اور عمل بالارکان کے مجموعہ سے مل کر شئے واحد ہے' جیسے کوئی مرکب اپنے اجزاء سے مل کر شئے واحد بنتی ہے اسی طرح ایمان بھی ہے۔ مثلاً جڑ' تنا' شاخیں' پتے اور پھول سب مل کر ایک درخت ہوتا ہے' بعینہ اسی طریقے سے ایمان تصدیق بالجنان' اقرار باللسان اور عمل بالارکان تینوں سے مل کر ایک مجموعہ ہے۔ یہ تمام ایمان کے اجزاء تو ہیں لیکن مرتبے میں برابر نہیں۔ جس طرح درخت کے اندر پتوں اور شاخوں کا وہ مقام نہیں جو جڑ اور تنے کا ہے اسی طریقے سے عمل کا درجہ وہ نہیں جو تصدیق اور اقرار کا ہے۔ تصدیق واقرار کا مرتبہ اساس اور بنیاد کا ہے اور عمل کی حیثیت اساس اور بنیاد کی نہیں۔ اس بات کو مزید واضح کرنے کے لیے امام صاحب نے فرمایا ''واهله فی اصله سواء'' یعنی تصدیق کے اندر سب اہل ایمان برابر ہیں' اعمال میں نہیں۔

اس کے بعد امام اعظم نے فرمایا ''والتفاضل بينهم بالخشية والتقوى ومخالفة الهوى وملازمة الاولى'' یہ مرجئہ پر رد ہے جو عمل کی ضرورت کے قائل نہیں۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ عمل کی ضرورت ہے' اس سے درجات میں تفاوت ہوگا' ایک آدمی جتنا زیادہ نیک عمل کرے گا اتنا ہی اس کا درجہ بلند ہوگا' بلکہ اولیٰ وافضل کا بھی آدمی اگر اہتمام کرے گا تو اس کا درجہ اور بھی بڑھتا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اس عبارت میں امام صاحب نے مرجئہ پر رد کرنے کے ساتھ ساتھ عمل کی حیثیت بھی واضح کی ہے کہ اس کی وجہ سے مراتب میں تفاوت آتا ہے' آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور یہ بعینہ وہی بات ہے جو سلف نے کہی ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ امام اعظم اور اشاعرہ وائمہ ثلاثہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے تو بے جا نہ ہوگا' کیونکہ دونوں فریق ایمان کو مرکب مانتے ہیں اور یہ بھی دونوں کے نزدیک طے ہے کہ اعمال کی حیثیت جزءِ ترتیبی کی ہے جزءِ اصلی اور ترکیبی کی نہیں۔ یعنی اعمال ایمان کامل کا جزء ہیں اصل ایمان کا جزء نہیں ہیں۔ اشاعرہ اور ائمہ ثلاثہ کا موقف بھی یہی ہے' لہٰذا دونوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔(١٤٥)

الحاصل

ایمان کے ایک سے زیادہ مفاہیم ہیں:

(۱) ایمان کا پہلا مفہوم: وہ ایمان جس پر دُنیوی احکام (جان و مال کی حفاظت وغیرہ) کا مدار ہے' اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل ارشادات مبارکہ میں ہوا ہے:

(ا) ((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ' فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) (١٤٦)

(ب) ((مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ)) (١٤٧)

(۲) ایمان کا دوسرا مفہوم: وہ ایمان جس پر اُخروی احکام (نجات' فوز وفلاح اور درجاتِ عالیہ کے حصول) کا

مدار ہے' یہ ایمان ہر اعتقادِ حق' اعمالِ حسنہ اور ملکۂ فاضلہ کا نام ہے' اس ایمان میں زیادتی اور کمی ہوسکتی ہے۔ شارع اس کے ہر ہر جزء کو ایمان سے تعبیر کرتا ہے۔ درج ذیل ارشاداتِ مبارکہ ملاحظہ ہوں:

(ا) ((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ)) (۱۴۸)

(ب) ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ)) (۱۴۹)

یہ اور ان کے علاوہ دیگر احادیثِ مبارکہ میں مختلف اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیا گیا ہے' البتہ سب اعمال کی حیثیت یکساں نہیں ہے بلکہ ان میں فرق وتفاوت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اعمال کے دو مراتب متعین کیے ہیں۔ عمدہ جزء کہلائے جانے والے اعمال کو ایمان کا رکن اور ان کے مقابلے میں دوسرے اعمال کو شعب الایمان کہا گیا ہے۔ وہ اعمال جو رکن ایمان ہیں اس کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (۱۵۰)

اور شعب الایمان اعمال کے بارے میں فرمایا:

((اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ)) (۱۵۱)

مفہوم اوّل کے حامل ایمان کا مقابل کفر ہے جبکہ مفہوم ثانی کے حامل ایمان کے مقابل میں تفصیل ہے' اگر تصدیق قلبی نہیں ہے اور تسلیم وانقیاد غلبۂ سیف کی وجہ سے ہے تو نفاقِ اصلی ہے جو کفر کے باہم مرادف ہے اور اگر تصدیق موجود ہے لیکن وظیفۂ جوارح (اعمال) نہیں ہے تو اس کو فسق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) ایمان کا تیسرا مفہوم: **تصدیق الجنان بما لا بد من تصدیقه** اس کا ذکر حدیثِ جبریل میں ایمان کے بارے میں سوال کے جواب میں ہوا ہے: **الایمان ان تؤمن باللّٰہ وملائکته وکتبه ورسله والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیره و شره۔**

(۴) ایمان کا چوتھا مفہوم: وہ سکینت' بشاشت' حلاوت اور طمانیت جو مقربین کو حاصل ہوتی ہے' جس کا ذکر درج ذیل ارشاداتِ ربانیہ میں ہوا ہے۔

(ا) ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾ (الفتح:۴)

(ب) ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الفتح:۲۶)

(ج) ﴿لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾ (الحدید:۹)

اس طرح ایمان کے چار مفاہیم ہیں جو شریعتِ مطہرہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ اگر باہم متعارض احادیث میں سے ہر ایک حدیث کو اپنے اپنے محمل پر محمول کرلیا جائے تو اس سلسلے کے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ ایمان میں زیادتی وکمی کے قائل ہیں ان کے پیش نظر ایمان بمعنی سکینت' بشاشت اور طمانیت ہے اور جو لوگ ایمان میں زیادتی وکمی کے قائل نہیں ہیں ان کے پیش نظر ایمان بمعنی **تصدیق الجنان بما لا بد**

من تصديقه ہے۔یعنی وہ تصدیق جس کی بدولت کوئی انسان کفر وشرک سے نکل کر مؤمنین کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔اس ایمان میں تمام مؤمنین مشترک ہیں' عوام ہوں یا خواص' صالحین ہوں یا فاسقین' ان کے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے تمام انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام باوجود تفاوتِ مراتب اور اختلافِ درجات کے نبوت و رسالت کی ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ایمان کے حوالے سے ان میں کسی قسم کی تفریق جائز نہیں ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ بالفاظِ دیگر نبوت و رسالت میں تمام انبیاء و رسل یکساں ہیں' تفاوتِ مراتب اور اختلافِ درجات نفسِ نبوت و رسالت میں نہیں بلکہ کمالاتِ زائدہ علی نفس النبوة والرسالة میں ہے' بعینہ اسی طرح مؤمنین کے ایمانی مراتب میں تفاوت باعتبار اوصاف زائدہ بمع نفس الایمان ہے صرف نفسِ ایمان میں نہیں' جس طرح تمام انسان حقیقتِ انسانیت میں برابر ہیں' کسی میں کوئی کمی بیشی نہیں' اختلافِ مراتب اور تفاوتِ درجات حقیقتِ انسانیت میں نہیں بلکہ فضائل' فواضل' محاسن اور شمائل کی بنیاد پر ہے۔

ایمان اور اسلام کے درمیان نسبت

بقول صاحب شرح المقاصد جمہور کے نزدیک ایمان اور اسلام باہم مترادف ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

الجمهور على ان الاسلام والايمان واحد: اذ معنى آمنت بما جاء به النبیﷺ صدقته۔ ومعنى أسلمت له :سلمته ۔ ولا يظهر بينهما كثير فرق لرجوعهما الى معنى الاعتراف والانقياد والاذعان والقبول [۱۵۲]

''جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اسلام وایمان باہم مترادف ہیں اس لیے کہ آمنت بما جاء به النبیﷺ کا معنی ہے میں نے ان تمام کی تصدیق کر لی جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے ہیں۔اور اسلمت له کا معنی ہے تسلیم کرنا اور کسی کا فرمانبردار ہونا اور دونوں کے مفاہیم میں کوئی زیادہ فرق نہیں' کیونکہ دونوں کا مفہوم بالآخر اعتراف' تسلیم اور قبول کی طرف لوٹتا ہے۔''

جمہور کے خلاف حشویہ اور بعض معتزلہ کا مسلک اور نقطۂ نظر ایمان و اسلام کے درمیان تغایر کا ہے۔ چنانچہ صاحب شرح المقاصد نے لکھا ہے:

وذهبت الحشوية وبعض المعتزله الى تغايرهما نظرا الى ان لفظ الايمان ينبئ عن التصديق فيما اخبر الله تعالىٰ على لسان رسله ولفظ الاسلام عن التسليم والانقياد' ومتعلق التصديق يناسب ان يكون هو الاخبار ومتعلق التسليم الاوامر والنواهى [۱۵۳]

''حشویہ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ ایمان اور اسلام باہم متغایر ہیں۔لفظ ایمان کا معنی ان تمام اشیاء کی تصدیق ہے جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی دی ہے اور اسلام کا معنی تسلیم و انقیاد (فرمانبرداری) ہے۔اس طرح تصدیق کا تعلق اخبار سے جبکہ اسلام کا تعلق اوامر و نواہی سے ہے۔''

جمہور کے دلائل

(۱) ﴿فَاَخۡرَجۡنَا مَنۡ كَانَ فِيۡهَا مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدۡنَا فِيۡهَا غَيۡرَ بَيۡتٍ مِّنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ (الذّٰریٰت)

(۲) ﴿قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَىَّ اِسۡلَامَكُمۡ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيۡكُمۡ اَنۡ هَدٰٮكُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ﴾ (الحجرات:۱۷)

(۳) ﴿وَقَالَ مُوۡسٰى يٰقَوۡمِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَيۡهِ تَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِيۡنَ ﴿۸۴﴾﴾ (یونس)

(٤) ﴿اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۳﴾﴾ (الروم)

(٥) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ (آل عمران)

(٦) ﴿قُلۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَالنَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۴﴾﴾ (آل عمران)

(۷) حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: فَاَیُّ الۡاِسۡلَامِ اَفۡضَلُ؟ قَالَ: ((اَلۡاِیۡمَانُ))[۱۵۴]

(۸) ((بُنِیَ الۡاِسۡلَامُ عَلٰی خَمۡسٍ شَهَادَةِ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ......))[۱۵۵]

یہ اور ان جیسی دیگر آیاتِ بینات اور احادیثِ مبارکہ سے ایمان و اسلام کا باہم مترادف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ صاحب شرح المقاصد علامہ تفتازانی نے لکھا ہے:

الاسمان من قبيل الاسماء المترادفة وكل مؤمن مسلم وكل مسلم مؤمن لان الايمان اسم لتصديق شهادة العقول والآثار على وحدانية الله تعالٰى وان له الخلق والامر لا شريك لهٗ فی ذٰلك والاسلام اسلام المرء نفسه بكليتها لله تعالٰى العبودية له' من غير شرك' فحصلاً من طريق المراد منهما على معنى واحد' ولو كان الاسمان متغايرين لتصور وجود احدهما بدون الآخر' ولتصور مؤمن ليس بمسلم' او مسلم ليس بمؤمن' فيكون لاحدهما حكم ليس للآخر وهذا باطل قطعًا وقال فی الكفاية : الايمان هو تصديق الله فيما اخبر من اوامره ونواهيه' والاسلام هو الانقياد والخضوع لألوهيته وذا لا يتحقق الا بقبول الامر والنهی فالايمان لا ينفك عن الاسلام حكما فلا يتغايران[۱۵۶]

''دونوں اسم (ایمان اور اسلام) اسمائے مترادفہ میں سے ہیں' ہر مؤمن مسلم اور ہر مسلم مؤمن ہے' اس لیے کہ اللہ عزوجل کی وحدانیت اور خلق و امر کے بلاشرکتِ غیرے مالک ہونے پر عقول و آثار کی شہادت کی تصدیق کا نام ایمان ہے اور اسلام اپنے آپ کو کلیۃً اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے بغیر کسی شرک کے اس کی بندگی بجالانے کا نام ہے۔ اس طرح دونوں سے مراد ایک ہی معنی ہے۔ بالفرض اگر دونوں باہم مغایر ہوتے تو کسی ایک کا دوسرے کے بغیر تصور ممکن ہوتا۔ یعنی کسی مؤمن کا تصور بغیر مسلم کے اور مسلم کا تصور بغیر مؤمن کے نہ صرف ممکن ہوتا بلکہ ہر ایک کا حکم الگ الگ ہوتا' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ صاحب کفایہ کا بیان

ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اوامر ونواہی کی تصدیق' اور اسلام اس کی الوہیت کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے اور فرمانبرداری کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کی الوہیت کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کا تصور اس کے اوامر ونواہی کو قبول کیے بغیر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ایمان کا وجود اسلام کے بغیر نہیں ہوسکتا اور جب نہیں ہوسکتا تو دونوں مغایر بھی نہیں ہوسکتے۔''

حشویہ اور بعض معتزلہ کے دلائل

(۱) ﴿قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ (الحجرات:۱۴)

(۲) قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر ایمان واسلام کو ایک دوسرے پر عطف کیا گیا ہے اور عطف' معطوف اور معطوف علیہ کے مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ مثلاً:

(ا) ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ (الاحزاب:۳۵)

(ب) ﴿وَمَا زَادَھُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا﴾ (الاحزاب)

(ج) حدیث جبریل میں ایمان کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا تھا: ((اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ ...... اِلَی الْاٰخِر)) اور اسلام کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: ((اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکَ بِہٖ وَتُقِیْمَ الصَّلَاۃَ وَتُؤْتِی الزَّکَاۃَ الْمَفْرُوْضَۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ)) (۱۵۷) مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان امورِ مذکورہ فی الحدیث کی تصدیق اور اسلام اعمالِ مخصوصہ کے انجام دینے کا نام ہے۔

(د) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: اَلْاِسْلَامُ عَلَانِیَۃٌ وَالْاِیْمَانُ فِی الْقَلْبِ (۱۵۸)

اصل بات یہ ہے کہ ایمان واسلام کی الگ الگ حقیقت شرعیہ اور لغویہ ہے۔ ایمان تو نام ہے اعتقادِ مخصوص کا اور اسلام نام ہے اعمالِ شرعیہ کی تعمیل کا۔ لیکن ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تکمیل کا تعلق ہے' جیسے کوئی معتقد اعمالِ شرعیہ کی تعمیل کیے بغیر مؤمن کامل نہیں ہوسکتا اسی طرح کوئی مسلم اعتقادِ قلبی کے بغیر صرف انقیادِ ظاہری سے مطیع کامل نہیں ہوسکتا۔

یہ دونوں الفاظ اگر ساتھ ساتھ اور مقامِ سوال میں آئے ہوں تو ان کی حقیقت متباین ہوگی۔ جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے۔ اور اگر ساتھ ساتھ نہ ہوں یا مقامِ سوال میں نہ ہوں تو اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے میں داخل ہوجائیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہے' آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (۱۵۹) یا حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: فَاَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْاِیْمَانُ (۱۶۰)

حافظ ابن رجب حنبلی کا بیان ہے کہ جب ایمان واسلام کو الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے تو دونوں باہم مترادف ہوتے ہیں اور ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تو دونوں مغایر ہوتے ہیں۔

فالایمان والاسلام کاسم الفقیر والمسکین اذا اجتمعا افترقا واذا افترقا اجتمعا

یعنی یہ دونوں لفظ ''مسکین'' اور ''فقیر'' کی طرح ہیں' جب یہ دونوں ساتھ ساتھ بولے جاتے ہیں تو ان کے حقائق متباین ہوتے ہیں اور الگ الگ بولنے کی صورت میں ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں۔ (۱۶۱)

حواشی

(۱۳۷) شرح المقاصد' ج۵' ص ۲۱۱ و شرح المواقف' ج۸' ص ۳۲۰۔

(۱۳۸) کتاب الوصیة' الایمان لا یزید ولا ینقص وحقیقته۔

(۱۳۹) العقائد النسفیة' فصل الفرق بین الایمان والاسلام۔

(۱۴۰) العقائد الاحمدیة' فصل الایمان زیادة ونقصانا فیه وکنهه۔

(۱۴۱) فضل الباری' ج۱' ص ۲۵۹۔

(۱۴۲) شرح المقاصد' ج۵' ص ۲۱۴۔

(۱۴۳) شرح المقاصد' ج۵' ص ۲۱۴۔

(۱۴۴) العقیدة الطحاویة' فصل فی تعریف الایمان' وما ینقصه ویزداده۔

(۱۴۵) فضل الباری' ج۱' ص ۲۶۴۔ ۲۶۹ ملخصًا۔

(۱۴۶) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب فان تابوا واقام الصلاة واتوا الزکاة فخلوا سبیلهم۔وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الا اللّٰه ......

(۱۴۷) صحیح البخاری' کتاب الصلاة' باب فضل استقبال القبلة یستقبل باطراف رجلیه۔

(۱۴۸) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰة المصابیح' کتاب الایمان' الفصل الثانی۔

(۱۴۹) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان تفاضل الاسلام وأی اموره افضل۔

(۱۵۰) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ارکان الاسلام ودعائمه العظام۔ وصحیح البخاری' کتاب الایمان' باب بنی الاسلام علی خمس۔

(۱۵۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان عدد شعب الایمان وافضلها وادناها۔

(۱۵۲) شرح المقاصد' ج۵' ص ۲۰۷۔

(۱۵۳) ایضاً۔ ج۵' ص ۲۰۹۔

(۱۵۴) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد' ج۱' ص ۵۹' کتاب الایمان' باب ای العمل افضل وای الدین احب الی اللّٰه۔

(۱۵۵) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب دعائکم ایمانکم و کتاب التفسیر' باب وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین للّٰه۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ارکان الاسلام ودعائمه العظام۔

(۱۵۶) شرح المقاصد' ج۵' ص ۲۰۷۔

(۱۵۷) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة۔

(۱۵۸) مسند احمد' ج۳' ص ۱۳۴'۱۳۵' مسند سیدنا انس بن مالکؓ۔

(۱۵۹) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب من قال ان الایمان هو العمل۔

(۱۶۰) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد' ج۱' ص ۵۹ کتاب الایمان' باب أی العمل افضل وای الدین احب الی اللّٰه۔

(۱۶۱) فتح الملهم شرح صحیح مسلم' علامه شبیر احمد عثمانی' ج۱' ص ۴۲۸و۴۲۹۔